رپورتاژ

سیّد احمد شہیدؒ کی خدمات پر ایک بین الاقوامی کانفرنس کا احوال

محمد رشید ☆

۲۹ر جولائی تا ۳۱ر جولائی ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ میں قائم ''ہزارہ چیئر'' کے زیرِ اہتمام سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک اور خدمات کے حوالے سے ایک بین الاقوامی سیمینار کا اہتمام کیا گیا۔ سیمینار کا مقصد سیّد احمد شہید اور اس کے پس منظر و اثرات کے بارے میں آگاہی پیدا کرنا اور مستقبل کے منظر نامے میں اس تحریک سے راہنمائی حاصل کرنا تھا۔ راقم کو اس سیمینار میں شرکت کرنے اور ''سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک اور میر نثار علی عرف تیتو میرؒ کی تحریک کا باہمی تعلق'' کے عنوان سے مقالہ پیش کرنے کا موقع ملا جس کے لئے میں نے اپنے دیرینہ رفیق اور محترم دوست مولانا وقار احمد (لیکچرر اسلامیات، خان پور کالج، ہری پور، ناظم دورہ تفسیر، الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ) کا شکر گزار ہوں کہ یہ قیمتی موقع ان کی اطلاع و تحریض کی وجہ سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائیں اور دین و دنیا کی تمام سعادتوں سے بہرہ مند فرمائیں۔

سیمینار کے منتظم ہزارہ یونیورسٹی کے شعبہ تعلیم کے چیئرمین ڈاکٹر منظور شاہ صاحب تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی ہدایت پر پہلے ایک صفحہ پر مشتمل مقالے کا خلاصہ بھیجا گیا جس کا منتظمہ کمیٹی نے جائزہ لیا اور پھر بذریعہ ای میل اطلاع دی گئی کہ آپ مقالہ پیش کرنے آسکتے ہیں۔ سیمینار تین دنوں پر مشتمل تھا۔ پہلے دو دن مقالات پیش کیے گئے اور تیسرے دن شرکاء کے لئے سیّد صاحبؒ سے متعلقہ منتخب مقامات کی زیارت اور دیگر سیاحتی مقامات کی سیر کا انتظام کیا گیا تھا۔ پہلے دو دن سیمینار کے دو حصے تھے، صبح نو بجے سے ایک بجے تک کا وقت مہمانانِ خصوصی کی گفتگو کے لئے مختص تھا، جس کو *Key Notes* کا عنوان دیا گیا تھا اور دوسرے حصے میں مقالہ پیش کرنے والے شرکاء کے لئے ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے مختلف کمروں میں متوازی سیشنز میں مقالہ پیش کرنے کا اہتمام تھا۔ جن شرکاء نے مقالہ پیش کیا ان کی مجموعی تعداد ساٹھ کے لگ بھگ تھی۔

☆ مولانا حافظ محمد رشید، لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ڈگری کالج، ڈسکہ، استاذ الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ۔

سیمینار کا آغاز ڈاکٹر منظور شاہ صاحب کے خوش آمدیدی خطاب سے ہوا۔ جس میں سیمینار کا مقصد بتایا گیا۔ ان کے بعد سیمینار کے مہمان خصوصی پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف عدیل نے بطور کی نوٹ سپیکر خطاب کیا۔ ڈاکٹر اشرف عدیل کا تعلق یونیورسٹی آف پنسلوینیا، امریکہ سے ہے اور وہ وہاں سے سیمینار میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ ان کے خطاب کا عنوان ''معاشروں اور تحریکات کی کارکردگی جانچنے میں اعتدال بطور پیمانہ'' تھا۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیت مبارکہ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ:۴۳) کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اعتدال اس امت کا امتیازی وصف ہے اور اس امت کی اصلاح اسی وصف کو ہر شعبہ زندگی میں اپنانے سے ممکن ہے۔ انہوں نے اس بات پر بطور خاص زور دیا کہ کسی بھی قوم میں انقلاب کی ابتداء کلاس روم سے ہوتی ہے اس لئے ہمیں اپنے تعلیمی نظام کو بہتر اور موثر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اسی سے معاشرہ انقلاب سے روشناس ہوگا۔ سوال و جواب میں شرکاء کی طرف سے کافی اہم سوالات اٹھائے گئے جن کا ڈاکٹر صاحب نے عمدگی کے ساتھ جواب دیا۔

Keynote speaker میں پہلے دن اسراء یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عمر علی خان، ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان شامل تھے۔ ڈاکٹر عمر علی خان کے مقالے کا عنوان *"The renaissance of Millat-e-Muslima and its Resurrection after The Encounter of Balakot"* تھا۔ یہ مقالہ انگریزی زبان میں بڑے جوشیلے انداز میں پیش کیا گیا۔ لوگوں نے توجہ سے سنا بھی، لیکن ان کے آیات اور احادیث کی غلط تلاوت کی وجہ سے عمومی تاثر اچھا نہیں رہا۔ ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان جو کہ سرحد یونیورسٹی پشاور سے تشریف لائے تھے، ان کے مقالے کا عنوان تھا ''*The Historical outcome of Armed Struggle by Syed Ahmed Shaheed: A Critical Analysis*''۔ انہوں نے سیّد صاحبؒ کے سفر اور جدو جہد کی روداد داستان کے انداز میں سنائی۔ اس سیشن کے اختتام پر مانسہرہ کے سابق ضلعی خطیب اور بالاکوٹ میں مدرسہ سیّد احمد شہیدؒ کے مہتمم قاضی نے اپنے مختصر خطاب میں کہا کہ میری پرزور رائے بلکہ مطالبہ ہے کہ سیّد احمد شہیدؒ کی خدمات سے عوام الناس کو متعارف کروانے کے لیے ہزارہ یونیورسٹی کو ان کے نام سے موسوم کیا جائے۔ انہوں نے ضیاء دور کے ایک اعلان کا حوالہ بھی دیا جس میں ایک جگہ سیّد احمد شہیدؒ کے نام سے ایک لائبریری بنانے کا اعلان ہوا تھا اور سنایہ گیا تھا کہ فنڈز بھی جاری ہو چکے ہیں لیکن آج تک وہ لائبریری معرض وجود میں نہیں آسکی۔ ان کی دعا پر اس سیشن کا اختتام ہوا۔ پہلے دن کے *keynote* سیشن کے اختتام پر ہمارا تاثر یہ تھا کہ موضوع پر بہت کم بات ہوئی اور وعظ و نصیحت کی محفل زیادہ جمی رہی۔

دوسرے دن *keynote* والے سیشن میں ڈاکٹر سعید الرحمٰن اور کراچی سے تشریف لانے والی ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر کی گفتگو انتہائی عمدہ اور عین موضوع کے مطابق تھی۔ ڈاکٹر سعید الرحمٰن (صدر شعبہ اسلامیات، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان) کے مقالے کا عنوان تھا *"Syed Ahmed Shaheed's Mission of Reforming Muslim Society: Reseach and Analysis"*۔ اپنے *keynote* خطاب میں انہوں نے سیّد صاحب کے جہاد کی ہمہ گیریت پر نہایت عمدہ گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ عام طور پر سیّد صاحب کے جہاد کے بارے میں یہ تصور ہے کہ یہ سکھوں کے مقابلے میں ایک مسلح جد

وجہد تھی اور بس۔ حالانکہ سیّد صاحبؒ کے ہاں جہاد کا تصور بڑا وسیع ہے۔ اس میں عوامی بہبود، معاشرتی رسومات کی اصلاح اور عقائد کی درستگی سب شامل ہے اور سیّد صاحب کے حالات زندگی اس پر شاہد ہیں۔ گویا اس جہاد سے محض مسلح جدوجہد مراد لینا اس کی وسعت کو محدود کرنے کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے چائے کے وقفہ کے دوران ہم نے ملاقات کی اور درخواست کی کہ کچھ وقت عنایت ہو تو مولانا وقار صاحب کے پی ایچ ڈی کے موضوع مقالہ اور کچھ دیگر امور پر راہنمائی حاصل کی جاسکے۔ انہوں نے سیشن کے دوران وقفہ میں ہم کو بلایا اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے حوالے سے پی ایچ ڈی کے موضوعات سے انتہائی مفید راہنمائی فرمائی۔ راقم نے دورانِ گفتگو سوال کیا کہ کیا مدرسہ کے طلبہ کو مطالعہ کا عادی بنانے کے لئے کوئی ناول دیا جاسکتا ہے، جیسے کہ نسیم حجازی کے ناول ہیں تو انہوں نے برملا کہا کہ ایسے ناول انسان کے اندر ایک تخیلاتی دنیا تشکیل دیتے ہیں کہ ایک نجات دہندہ آئے گا اور کشتوں کے پشتے لگا کر قوم کو مصائب سے نجات دلائے گا۔ اس سے پھر وہ ساری زندگی کسی ایسے مسیحا کا انتظار ہی کرتے رہتے ہیں جو کہ ان کی نجات کا سندیسہ لے کر آئے اور یہ کوئی *practical approach* نہیں۔

ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر صاحبہ کی گفتگو بلاشبہ پوری کانفرنس کی جان کہی جاسکتی ہے اور ان کی گفتگو کے بعد سیّد حنیف رسول صاحب نے اٹھ کر برملا اقرار بھی کیا کہ شکر ہے آپ کی گفتگو ہوئی وگرنہ کل سے سیّد صاحب کے متعلق کافی کنفیوژن پیدا ہوچکی تھی جس کا اب کافی حد تک ازالہ ہوچکا ہے۔ ان کے مقالے کا عنوان تھا ''*Political Vision of Sayyed Ahmad Shaheed*''۔ اپنی گفتگو میں انہوں نے سیّد صاحب کے حالات سے متعلق تقریباً تمام کتب اور ماخذ کا انتہائی عمدہ اور بھرپور تنقیدی جائزہ پیش کیا اور سیّد صاحب کی جدوجہد کی عظمت کو اجاگر کیا۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا اختتام سیّد صاحب کے حوالے سے ایک مثال پر کیا کہ دورانِ جنگ دو سپاہی ایک مورچے میں محصور ہیں، ان کے پاس ایک ہی بم ہے، دوسری طرف سے دشمن مسلسل فائرنگ کررہا ہے اور گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے، اس دوران ایک سپاہی نے اٹھ کر وہ اکلوتا بم دشمن کی طرف پھینکا۔ اب اگر وہ گولیوں کا نشانہ بننے سے محفوظ رہا تو لوگ اس کو شجاع اور بہادر کہہ کر اس کی تعریف کریں گے اور اگر وہ کسی گولی کا نشانہ بن کر جام شہادت نوش کرگیا تو یہی لوگ تنقید کرتے ہوئے یہ کہنے لگیں گے کیا ضرورت تھی جان گنوانے کی، انتظار کرلیتے، ایسے ہی اپنا نقصان کیا اور قوم کا بھی وغیرہ۔ سیّد صاحب کے بارے میں بھی ایسا ہی رویہ ہے، سیّد صاحبؒ وہ سپاہی ہیں جنہوں نے دشمن پر آخری حملہ کیا اور جان کی بازی ہار گئے اور بعد والے لوگ ان کی کوشش کو پس پشت ڈال کر ان پر تنقید کے نشتر چلانے لگے حالانکہ انہوں نے اس وقت کے معروضی حالات کے مطابق اپنا فرض ادا کردیا۔

دوسرا سیشن ظہر کی نماز کے بعد شروع ہوا، اس میں مقالہ پیش کرنے والے شرکاء نے اپنے مقالہ جات پیش کیے جس کا انتظام شعبہ تعلیم کے کلاس رومز میں کیا گیا تھا۔ چار کمرے منتخب کیے گئے تھے اور ہر کمرے میں تقریباً پانچ سے چھ مقالہ نگاروں نے اپنے مقالہ جات پیش کیے۔ اس طرح دو دنوں میں تقریباً بیس کے قریب مقالے پیش کیے گئے۔ کانفرنس کے اس حصے میں سیّد صاحبؒ کی تحریک کے حوالے سے جو نکات زیادہ زیر بحث رہے ان میں سے چند اہم نکات حسب ذیل ہیں:

۱۔ سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک برطانوی ایمپائر کی حکمت عملی کا نتیجہ تھی، اس کی دلیل یہ دی گئی کہ انگریز سامراج نے سب سے

پہلے بنگال کے علاقوں پر قبضہ کیا اور سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک کی تقریباً ساری افرادی قوت انہیں علاقوں سے تعلق رکھتی ہے۔ سیّد احمد شہیدؒ کے مریدین کا سب سے بڑا حلقہ بھی انہیں علاقوں میں تھا۔ انگریز ایمپائر کو اس وقت زیرِ قبضہ علاقوں پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے اور مزید علاقوں پر قبضہ کرنے کے لئے جن دو قابل ذکر مزاحمتوں کا سامنا تھا وہ ایک بنگال اور ملحقہ علاقوں میں موجود مسلم مزاحمتی عنصر تھا اور دوسرا پنجاب کے علاقوں میں سکھ راج تھا، انگریزوں نے اپنے زیرِ قبضہ علاقوں سے یہ ساری قوت مجتمع کر کے سکھوں کے خلاف کھڑی کردی جس سے جہاں یہ مسلم مزاحمتی قوت تباہ ہوگئی وہیں سکھوں کی قوت کا بھی کافی حد تک توڑ ہو گیا، اس طرح برطانوی ایمپائر نے اپنے دونوں مقاصد حاصل کر لئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ یہ ساری تحریک اصل میں برطانوی ایمپائر کی حکمت عملی کا نتیجہ تھی اور جس طرح ہم عصر حاضر میں افغانستان و دیگر علاقوں میں امریکی ایمپائر کے ہاتھوں استعمال ہو رہے ہیں۔ سیّد صاحبؒ کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ ہوا۔ یہ نظریہ *GPGC, Mansehra* سے آئے ہوئے ڈاکٹر ریاض حسین صاحب نے پیش کیا جن کے مقالے کا عنوان تھا *"The Study of Jihad Movement Through Imperialist Perspective"*۔

۲۔ سیّد احمد شہید کی تحریک جہاد اصلاً انگریزوں کے خلاف تھی اور ان کا سکھوں کے ساتھ ٹکرا ان کے مشن کی ایک ناگزیر قسط تھی۔ اس کے دلائل میں سیّد صاحب کے وہ خطوط پیش کیے گئے جو انہوں نے ہندو راجاؤں کو لکھے جن میں ان کو تعاون کرنے اور اس تعاون کے بدلے میں ان کی راجدھانیاں قائم رہنے کی یقین دہانی کروائی گئی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ سید صاحب کا اصل ہدف انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا تھا نہ کہ سکھوں یا دوسری اقوام کے ساتھ جنگ چھیڑ دینا۔ اس موقف پر کافی لے دے ہوئی اور عموی سامعین نے اس کو قبول نہیں کیا۔ ان کا خیال تھا کہ سیّد صاحب کے پیش نظر صرف انگریزوں کا اخراج نہیں تھا بلکہ وہ ایک اسلامی ریاست کے قیام اور خلافت علی منہاج النبوت کے احیاء کے لئے نکلے تھے۔ مندرجہ بالا موقف کی نمائندگی سیّد حنیف رسول نے کی جو ایڈورڈ کالج، پشاور سے آئے تھے۔ ان کے مقالے کا عنوان تھا: *"Revisiting Syed Ahmad Shaheed's Tehreek-e-Mujahideen: First Liberation Movement of Wali Ullahi School".*

۳۔ سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک کا دوقومی نظریہ سے کیا تعلق ہے؟ اس ضمن میں عام تاثر وہی رہا جو ہمارے معاشرے میں پایا جاتا ہے کہ دوقومی نظریہ شاہ ولی اللہؒ بلکہ ان سے بھی پہلے شروع ہوتا ہے اور قیام پاکستان تک پہنچتا ہے۔ اس معاملے میں ایک دلچسپ بحث کانفرنس کے تیسرے دن ٹور کے موقع پر ہوئی۔ ٹور سے واپسی پر ایک جگہ چائے کے لئے رکے تو شرکاء میں دوقومی نظریہ کی تعریف پر بات چلی۔ اسراء یونیورسٹی اسلام آباد سے آئے ہوئے ڈاکٹر ریاض سعید نے کہا کہ دوقومی نظریہ یہ ہے کہ ہندو اور مسلم دو الگ الگ قومیں ہیں کیونکہ ان کا مذہب، رسوم وروایات اور طرزِ زندگی مختلف ہے۔ اس موقع پر مولانا وقار احمد نے سوال کیا کہ پاکستان میں بسنے والے ہندو اور سکھ پھر کس قومیت سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے شناختی کارڈ میں قومیت کے خانے میں کیا لکھا ہوتا ہے؟ ان کے سوال پر کچھ دیر کے لئے شرکاء خاموش

ہوئے تو درمیان میں راقم نے یہی سوال ہندوستان کے مسلمان باسیوں کے بارے میں اٹھایا تو ایک صاحب کہنے لگے کہ ان کو الگ کرنے کے لئے شناختی کارڈ کے خانے میں مذہب کا خانہ موجود ہے۔ اس پر عرض کیا کہ مذہب کا خانہ موجود ہے لیکن قومیت ''Nationality'' کے خانے میں وہ بھی پاکستانی ہی ہیں، یہاں پر دوقومی نظریہ کہاں گیا؟ اس پر شرکاء کی طرف سے کوئی تسلی بخش جواب نہ آسکا۔ ہمارا اصرار تھا کہ قومیت کا جو تصور مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے پیش کیا تھا وہ عملی طور پر آج بھی پاکستان سمیت دنیا بھر میں رائج ہے اور یہی عملی طور پر ممکن بھی ہے۔ اور دوقومی نظریہ ایک وقتی ضرورت تو کہا جاسکتا ہے لیکن اس کو عملی طور پر نا قابل عمل ہی سمجھا گیا ہے اور قومیت کے خانے میں آج بھی وطن اور خطہ زمین کی بنیاد پر ہی قومیت درج کی جاتی ہے۔ کافی گرما گرم بحث ہوئی۔ آخر میں ڈاکٹر ریاض صاحب نے یہ کہا کہ اس بحث سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اس موضوع پر مزید مطالعہ کرنا چاہئے اور انہوں نے مولانا وقار صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ اس بحث کا ایک اہم پہلو سامنے لائے ہیں۔ ان کے مقالے کا عنوان تھا "Syed Ahmed Shaheed Movement and the Two Nation's Theory (Struggle for a Separate Identity in Indian Subcontinent)"۔

۴۔ سیّد صاحب کی تحریک کے عصر حاضر کے ساتھ تعلق پر جو سوال بار بار زیر بحث آیا وہ ان کی تحریک اور طالبان تحریک خصوصاً پاکستانی طالبان کے نظریات کے درمیان مماثلت کا سوال تھا۔ یعنی سیّد صاحب اگر ہتھیار اٹھا کر ایک خطہ لینا چاہتے ہیں اور اس ضمن میں مسلح کوشش کرتے ہیں تو وہ جہاد کہلاتا ہے اور طالبان اگر یہی کام کرتے ہیں تو وہ دہشت گردی کہلاتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ گویا طالبان تحریک سیّد صاحب کی جدو جہد کا ہی ایک تسلسل ہے۔ اس سوال پر کافی محتاط گفتگو ہوئی اور کوئی بات واضح نہ ہوسکی لیکن عام شرکاء کی باڈی لینگویج سے ایسا احساس ہوتا تھا کہ لوگ اس معاملے میں کنفیوژن کا شکار ہیں اور ان کے ذہنوں میں اس حوالے سے کوئی تسلی بخش تصور نہیں ہے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ سیّد صاحب کے حوالے سے عقیدت واحترام اور طالبان کے حوالے سے برعکس رویہ دیکھنے میں آیا خصوصاً پاکستانی طالبان کے حوالے سے۔

۵۔ راقم کا مقالہ ''سیّد احمد شہید کی تحریک جہاد اور میر نثار علی عرف تیتو میر کی تحریک کا باہمی تعلق: تحقیقی مقالہ'' کے عنوان سے تھا۔ جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ تیتو میر کا تعلق سیّد صاحب سے ضرور تھا اور انہوں نے ان کے سفرحج سے پہلے یا دوران سفر ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی اور غیر مستند روایت کے مطابق سیّد صاحب نے ان کو اپنا خلیفہ بھی مقرر کیا تھا، لیکن ان کی تحریک کو مزاحمتی تحریک تو کہا جاسکتا ہے جو کہ حالات کے جبر کی وجہ سے ان کو منظم کرنا پڑی لیکن اس کے پیچھے تحریک مجاہدین کا وہ اساسی تصور نہیں تھا کہ قوت جمع کر کے کسی علاقے پر قبضہ کیا جائے اور اسلامی تعلیمات کا نفاذ کیا جائے، بلکہ اپنی ابتداء میں یہ ایک اصلاحی تحریک تھی جس کا مقصد غلط رسوم کا قلع قمع اور مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کے ساتھ ان کی دینی تعلیم کا مناسب بندو بست کرنا تھا، یہ اصلاحی تحریک کچھ مسلمانوں کی ریشہ دوانیوں اور ہندو

راجاؤں کے مظالم کی وجہ سے مسلح مزاحمت میں تبدیل ہوگئی۔ ہاں اختتام پر جب تیتو میر شہیدؒ نے کچھ علاقوں پر قبضہ کرلیا تو انہوں نے کچھ عرصہ کے لئے اپنی آزاد حیثیت اور برطانوی تسلط و ہندو راجاؤں کی علمداری سے نکل جانے کا اعلان کیا تھا جس کی وجہ سے ان کے خلاف ایک بڑا آپریشن کیا گیا اور وہ اپنے سینکڑوں ساتھیوں سمیت شہید ہوئے۔ ان کی شہادت سیّد صاحب کی شہادت سے کچھ عرصہ بعد ہوئی ہے۔

۶۔ مولانا وقار صاحب (لیکچرار اسلامیات، گورنمنٹ کالج، خانپور) کے مقالے کا عنوان تھا ''تحریک مجاہدین کی ناکامی کے اسباب وجوہ: تجزیاتی مطالعہ''۔ اس میں انہوں نے بڑی تفصیل سے ان وجوہات پر گفتگو کی ہے جن کی وجہ سے سیّد صاحب کی تحریک بظاہر ناکامی سے دوچار ہوئی۔ اس میں انتظامی امور میں لاپرواہی، علاقائی حالات کے بارے میں غلط اندازے، مقامی لوگوں کا غیر تربیت یافتہ ہونا، گردونواح کے کچھ مسلمانوں کی مفاد پرستی اور کئی دیگر وجوہات پر بات ہوئی جو کہ سیّد صاحبؒ کی تحریک کی ناکامی کا باعث بنے۔ لوگوں نے انتہائی توجہ سے سنا اور کثیر سوالات کے ذریعے اس میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔

ان مقالات کے علاوہ دیگر عنوانات پر بھی گفتگو ہوتی رہی، مثلاً سیّد صاحب کے بعد ان کی تحریک کا تسلسل کہاں تک رہا اور کس کس نے ان کا مشن جاری رکھنے کی کوشش کی؟ اسی طرح جو لوگ مقتل سے بچ گئے وہ کس طرف گئے اور ان کی زندگی کی کیا مصروفیات ہیں؟ بہرحال کانفرنس کے دوران بہت اچھا علمی ماحول بن گیا اور شرکاء نے ایک دوسرے کے مطالعہ و معلومات سے بھرپور استفادہ کیا۔ بجا طور پر ہزارہ یونیورسٹی کی انتظامیہ، ہزارہ چیئر کے منتظمین اور خصوصاً ڈاکٹر منظور حسین شاہ صاحب اس اہم موضوع پر کامیاب بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ کچھ انتظامی خامیاں ضرور ہیں لیکن علمی استفادہ و افادہ خوب ہوا، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اسی طرح اہم موضوعات پر کانفرنسز اور سیمینارز منعقد کرنے کی توفیق مزید مرحمت فرمائیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

(مطبوعہ ماہنامہ الشریعہ، ستمبر ۲۰۱۵ء)

مسلمانوں میں انتہا پسندی کا آغاز: خوارج۔ ایک مطالعہ

تالیف: ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر

صفحات: ۳۷۴ قیمت: ۴۰۰ طبع اول: ۲۰۱۲ء

دوسرا ایڈیشن (دسمبر ۲۰۱۴ء) شائع ہوگیا ہے۔